

# حیاتِ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ

از: پروفیسر رضی احمد کمال

صدر شعبہ اسلامیات، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا شمار ہندوستان کے ان صوفیائے کرام میں ہوتا ہے جن کے شخصی اور روحانی اثرات اور تعلیمی و تبلیغی خدمات کا بیشتر تذکرہ نگاروں نے اعتراف کیا ہے، ان کے اجداد میں شیخ نظام الدین پہلے بزرگ ہیں جو ساتویں صدی ہجری مطابق تیرہویں صدی عیسوی میں اپنے صاحبزادے شیخ نصیر الدین کے ہمراہ دہلی آئے، یہ علاؤ الدین خلجی کا دور حکومت تھا (۱) صاحبِ نزہت الخواطر لکھتے ہیں: ”قاضی نظام الدین اپنے والد کی رحلت کے بعد ہندوستان آئے۔“ (۲) اسی زمانے میں ایک اور بزرگ قاضی شہاب الدین جو شیخ نظام الدین کے عزیز تھے غزنی سے دولت آباد ہوتے ہوئے دہلی تشریف لائے، یہاں قاضی عبدالمتقندر اور مولانا خواجگی دہلویؒ سے علوم ظاہری اور فیوضِ باطنی کے اکتساب کے بعد قاضی شہاب الدین جون پور تشریف لے گئے، اس وقت وہاں سلطان ابراہیم شرقی کی حکومت قائم تھی، جو علم و فضل کا قدر دان اور علماء کی بیحد تعظیم کرنے والا تھا؛ چنانچہ اس نے قاضی شہاب الدین کے جون پور پہنچنے پر ان کی بہت قدر افزائی کی اور صدر العلماء کے خطاب سے نوازا، جون پور میں یہ قاضی شہاب الدین کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔

محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے:

”واز جملہ فضلاء عصر قاضی شہاب الدین جون پوری ست، اصل او از غرین ست، در دولت آباد کن نشو و نمایافت، سلطان ابراہیم در تعظیم و توقیر او بسیار کوشید و در روز ہائے در مجلس او بر کر سئ نقرہ می نشست۔“ (۲)

(ترجمہ: اور اس وقت کے تمام فضلاء اور علماء میں ایک شخصیت قاضی شہاب الدین جون پوری کی ہے جو اصلاً غرینین کے رہنے والے ہیں اور بعد میں دولت آباد کن میں پرورش پائی،

شرقی بادشاہ سلطان ابراہیم نے ان کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کی اور دربار میں مجلس کے اوقات میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی چاندی کی کرسی پر بیٹھا کرتے تھے۔

اسی زمانے میں شیخ نظام الدین بھی قاضی شہاب الدین کی قرابت قریبہ کی وجہ سے دہلی سے جون پور آ کر آباد ہو گئے، یہاں قاضی شہاب الدین نے اپنی صاحبزادی کی شادی شیخ نظام الدین کے صاحبزادہ نصیر الدین سے کر دی، جن سے تین بیٹے، صفی الدین، فخر الدین اور رضی الدین پیدا ہوئے، جون پور میں کچھ عرصے قیام کے بعد نصیر الدین اپنے اہل و عیال کے ساتھ ردولی منتقل ہو گئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔

شیخ نصیر الدین کے تینوں صاحبزادے مقتدر عالم اور اساتذہ وقت ہوئے ہیں، شیخ صفی الدین کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور خدا ترسی کے بارے میں ان کے تمام تذکرہ نگار اتفاق رائے رکھتے ہیں، صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

”شیخ صفی الدین، قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے نواسے اپنے ذہن کی رسائی کی وجہ سے نوادرزمانہ سے تھے۔“ (۳)

راہ طریقت میں شیخ صفی الدین، شیخ اشرف جہانگیر سمنائی سے فیض یافتہ تھے، شیخ اشرف جہانگیر سمنائی ان کی علمی خصوصیات کو سراہتے ہوئے فرماتے ہیں:

”شیخ صفی تو علوم و فنون کے لحاظ سے تمام ہندوستان کے عجائبات میں سے تھے۔“ (۴)

شیخ صفی الدین کے خصائص بیان کرتے ہوئے عبدالرحمن چشتی تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مخدوم شیخ صفی الدین قدس سرہ العزیز اگرچہ از فرزند ان امام ہمام حضرت امام اعظم است اما باعتبار علم و فضل، زہد و تقویٰ، کمالات معنوی، ثانی ابوحنیفہ است۔“ (۵)

(ترجمہ: حضرت مخدوم شیخ صفی الدین قدس سرہ العزیز اگرچہ حضرت امام اعظم جیسے اہم امام کے صاحبزادوں میں سے ہیں لیکن علم و فضل، زہد و تقویٰ اور معنوی کمالات میں دوسرے ابوحنیفہ ہیں۔)

شیخ صفی الدین نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں شیخ اشرف جہانگیر سمنائی سے حصول خلافت کے بعد بنگال، جون پور اور اودھ کے مختلف علاقوں میں ایک عرصے تک سیر و سیاحت کرنے کے بعد وطن مراجعت فرمائی اور یہاں واپسی پر عہدہ قضا پر فائز ہوئے، اس کے بعد شیخ صفی الدین کی شادی صفیہ بی بی سے ہوئی جو ردولی کے ایک معزز گھرانے کی دختر نیک اختر تھیں۔

۱۲ ربیع الاول ۸۹ھ مطابق ۷۷۷ء کو شیخ صفی الدین کے یہاں شیخ اسماعیل پیدا ہوئے، جو شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے والد ماجد ہیں۔

شیخ محمد اسماعیل نے اپنے والد ہی سے تعلیم و تربیت حاصل کی، علوم ظاہری و باطنی سے فراغت کے بعد قاضی اسماعیل کی شادی قاضی دانیال کی ہمیشہ مریم سے ہوئی، قاضی صاحب کا خاندان اپنی شرافت اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے ردولی میں ممتاز تھا، قاضی اسماعیل کے چار فرزند ہوئے، عبدالصمد، عزیز اللہ، عبدالقدوس اور جیب اللہ۔ شیخ صفی الدین نے ۱۳ ذیقعدہ ۸۱۹ھ مطابق ۱۶۱۶ء کو وفات پائی، والد کی وفات کے بعد، شیخ اسماعیل مسند ارشاد و تلقین پر بطور جانشین فائز ہوئے۔ شیخ اسماعیل کی زندگی کا بڑا حصہ درس و تدریس اور رشد و ہدایت میں گزرا، شیخ اسماعیل کی وفات ۸۶۰ھ مطابق ۱۴۵۶ء کو ردولی میں ہوئی اور اپنے والد شیخ صفی الدین کے قریب دفن ہوئے۔

### شیخ عبدالقدوس کی ولادت اور ابتدائی تعلیم و تربیت

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی ولادت ۸۵۲ھ مطابق ۱۴۵۰ء ردولی میں ہوئی، شیخ عبدالقدوس امام اعظم ابوحنیفہ کی چھبیسویں پشت میں شمار کیے جاتے ہیں۔

شیخ عبدالقدوس بن مولوی اسماعیل بن قاضی صفی الدین بن خواجہ نصیر الدین بن خواجہ نظام الدین بن خواجہ آدم بن خواجہ ظہیر الدین بن خواجہ احمد بن خواجہ عبدالواسع بن خواجہ عبدالقادر بن عبدالغنی بن عثمان بن اسحاق بن عمر بن فضل اللہ بن نصیر الدین بن سعد الدین بن نجم الدین بن داؤد بن جعفر بن حامد بن خیر الدین بن امام طاہر بن امام ابراہیم بن امام احمد بن امام اعظم ابی حنیفہ (۶) حضرت امام اعظم کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اپنے نام کے ساتھ حنفی نسبت کا استعمال کیا ہے، اگرچہ اس سلسلے میں یہ بھی خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ حنفی مسلک رکھنے کی وجہ سے انھوں نے اپنے نام کے ساتھ اس نسبت کو استعمال کیا ہے، مگر صاحب مفتاح التواریخ کی عبارت اور شجرہ حسب و نسب سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ امام اعظم ابوحنیفہ کی اولاد میں سے ہیں، صاحب مفتاح التواریخ نے لکھا ہے:

”ازمشاہیر مشائخ ہند است واز اولاد امام اعظم ابوحنیفہ کونی ست۔“ (۷)

(ترجمہ: ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ہیں اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کونی کی

اولاد میں سے ہیں۔)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے والد شیخ اسماعیل نے بچپن ہی سے اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت کی

طرف خصوصی توجہ فرمائی اور خطوط نویسی اور خوش نویسی کی تربیت شیخ عبدالقدوسؒ کو اپنے والد سے ہی حاصل ہوئی تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے مکاتیب اپنی دل آویزی کے لیے مشہور ہیں، زمانہ طالب علمی میں شیخ عبدالقدوسؒ کے ذوق کا یہ عالم تھا کہ وہ دن رات تحصیل علم میں مصروف رہتے تھے، انھوں نے ابتداء سے ہی حصول علم اور عبادت و ریاضت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا، شیخ رکن الدین، ان کے ذوق علم اور شوق عبادت پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں: ’چوں حضرت قطبی بہ تعلیم کتابہا مشغول شدند در تمام روزی خواند و تمام شب بشغل ذکر و عبادت حق مشغول بودند۔‘ (۸) (ترجمہ: جب حضرت قطبی کتابوں کے مطالعہ اور تعلیم میں مشغول ہوئے تو سارا دن کتابیں پڑھتے رہتے اور ساری رات ذکر کے شغل میں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے)

آپ ابتداء سے ہی نہایت ذہین اور نکتہ رس تھے، اسی وجہ سے اساتذہ بھی ان پر خاص توجہ اور شفقت فرماتے، دوران طالب علمی ہی میں ایک کتاب علم الصرف میں تصنیف فرمائی تھی، شیخ عبدالقدوسؒ کی کتابی تعلیم صرف کافیہ (۹) ہی تک ہو پائی تھی کہ عشق الہی سے سرشار ہو کر ظاہری تعلیم کو ترک کر دیا اور خرقہ پوشی اختیار کر لی، اس صورت حال سے ان کی والدہ کو بہت تشویش ہوئی اور اپنے بھائی قاضی دانیال کو صورت حال سے آگاہ کیا، قاضی صاحب نے شیخ عبدالقدوسؒ سے ترک تعلیم پر باز پرس فرمائی، ساتھ ہی تہیہ بھی کی، ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ کچھ عورتیں قریب سے گاتی ہوئی گزریں، گانے کی آواز سن کر شیخ عبدالقدوسؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی، قاضی صاحب نے اس کیفیت کو دیکھنے کے بعد بہن کو تسلی دی اور کہا: آپ فکر نہ کریں! انشاء اللہ بہتر ہی ہوگا۔

شیخ عبدالقدوسؒ نے اگرچہ چند ابتدائی کتابوں کے سوا تعلیم حاصل نہیں کی تھی؛ مگر علوم ظاہری میں ان کو منجانب اللہ کمال حاصل تھا، شیخ رکن الدین فرماتے ہیں:

’اگرچہ میرے والد حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے اصول فقہ کی تعلیم بالکل حاصل نہیں کی تھی؛ لیکن آپ مجھے اصول فقہ میں اصول شامی، (۱۰) حسامی اور اصول فقہ کی دوسری کتابوں کا درس دیتے تھے۔‘ (۱۱)

**بیعت و خلافت:** شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ بظاہر شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق کے مرید و خلیفہ تھے؛ لیکن شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ سے انھیں بے انتہا عقیدت و تعلق تھا، اسی تعلق کی وجہ سے ان کو شیخ احمد عبدالحق سے بھی فیض روحانی حاصل تھا، جس کا اظہار شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے خود انوار العیون میں تحریر فرمایا ہے:

’اجازت این فقیر با حضرت شیخ العالم در عالم در عالم معامله اول درست گشت، بعدہ بانیرہ حضرت شیخ العالم شیخ الوقت حضرت شیخ محمد مدظلّہ وَاَعْلٰی قَدْرَہ بیعت کردیم، واز شرف اجازت مشرف گشتیم و حضرت شیخ العالم (شیخ احمد عبدالحق) این فقیر را در عالم معامله چند بار لطف کردند، و دست گرفته بہ زبان کرم فرمودند کہ ترابہ خدا رسانیدم، الحمد للہ علی ذلک، چنداں معامله با حضرت شیخ العالم کہ در حد و غد نبایند... این معامله مارا در نظر و ولایت حضرت شیخ العالم بعد چہل سال از رحلت شیخ العالم بودہ است۔‘ (۱۲)

(ترجمہ: اس فقیر کو اجازت جناب شیخ العالم سے معاملے کے پہلے ہی عالم میں حاصل ہوگئی تھی، اس کے بعد حضرت شیخ العالم کے پوتے شیخ الوقت حضرت شیخ محمد مدظلّہ وَاَعْلٰی قَدْرَہ (اللہ ان کی قدر و منزلت کو بڑھائے) ان سے بیعت کی اور اجازت کے شرف سے مشرف ہوا، اور حضرت شیخ العالم (شیخ احمد عبدالحق نے اس فقیر پر معاملے کے عالم میں کئی بار لطف فرمایا اور ہاتھ پکڑ کر اکرام و الطاف کی زبان سے فرمایا کہ میں نے تمہیں خدا تک پہنچایا، الحمد للہ علی ذلک، اسی طرح سے یہ معاملات حضرت شیخ العالم کے ساتھ اتنی بار ہوئے کہ شمار و قطار میں نہیں آتے، یہ معاملات ہمیں حضرت شیخ العالم کی رحلت کے چالیس سال بعد ولایت کی شکل میں حاصل ہوئے) شیخ محمد سے اجازت و خلافت کے بعد شیخ عبد القدوس نے خانقاہ شیخ احمد عبدالحق میں کافی وقت مجاہدے اور ریاضتوں میں گزارا، جہاں وہ اپنے ان مجاہدات کے علاوہ خانقاہ کی صفائی، وہاں کے مہمانوں کی خدمت ان کے کھانا پکانے کے لیے جنگل سے لکڑیاں لانا، جیسے کام ان کے معمولات میں شامل تھے، اس سخت محنت و مشقت کی وجہ سے ان کی صحت بھی متاثر ہوگئی تھی، بقول شیخ رکن الدین مزاج میں بہت حدت پیدا ہوگئی تھی اور اس زمانے میں صرف ایک گدڑی زیب تن فرمایا کرتے تھے، ان کا کہنا ہے کہ میری پیدائش تک والد نے اس کے علاوہ کوئی دوسرا لباس اختیار نہیں کیا، ایک گدڑی جس میں بیسیوں پیوند لگے ہوئے تھے، وہی ان کا لباس تھا، جس طرح روزہ، نماز اور وظائف کو پابندی سے ادا کرتے، اسی طرح روز ایک پیوند گدڑی میں پابندی سے لگاتے تھے۔

شیخ عبد القدوس کا زیادہ وقت عبادت ہی میں گزرتا تھا، فرض سنتوں اور مقررہ نوافل کے علاوہ روزمرہ کے اور اذکار و وظائف بہت پابندی سے بڑھتے تھے، نماز سے والہانہ عشق کی یہ کیفیت تھی کہ شدید سردی کے زمانے میں بھی ساری رات نوافل کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے، شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ شب براءت میں ایک قرآن مجید سور کعتوں میں باجماعت ختم ہونے کا شیخ

کے یہاں معمول تھا۔ اس رات حافظ شیخ احمد، صاحبزادہ شیخ عبدالقدوس امامت فرمایا کرتے تھے، رمضان المبارک میں تین قرآن مجید سننے کا معمول ساری زندگی رہا، اپنے ذکر و اذکار کے معمولات کے سلسلے میں شیخ عبدالقدوس بیان فرماتے ہیں:

”میری عمر کے کئی سال اس طرح گزرے ہیں کہ میں عشاء کی نماز کے بعد سے ذکر بالجہر شروع کرتا تھا، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی۔“ (۱۳) ان عبادات و ریاضات کے علاوہ شیخ عبدالقدوس کا یہ معمول بھی تھا کہ وہ رمضان کے علاوہ بھی سال بھر کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے۔ شیخ رکن الدین تحریر فرماتے ہیں:

”میں نے چالیس سال میں آپ کو سوائے ایام ممنوعہ کے جو پانچ دن ہیں بغیر روزے کے نہیں دیکھا۔“ (۱۴)

قیام ردولی کے زمانے ہی میں شیخ عبدالقدوس کی شادی، شیخ عارف کی صاحبزادی سے ہو گئی تھی۔ یہ خاتون بڑی عابدہ اور زاہدہ بی بی تھیں۔ والد اور دادا دونوں کی نسبت و تعلق کے تمام اثرات موصوفہ میں موجود تھے۔

شیخ عبدالقدوس کُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا کے اصول کے مطابق ساری زندگی حلال روزی کے حصول پر ہی عمل کیا اور اسی بنا پر زراعت کا پیشہ اختیار کیا۔ جس سے اپنی اور گھر والوں کی ضروریات پوری فرماتے تھے۔

شیخ عبدالقدوس کے تذکرہ نگاروں نے ان کے ذریعہ معاش پر کوئی خاص روشنی نہیں ڈالی ہے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء کے یہاں صرف اتنا تذکرہ پایا جاتا ہے:

”وہ حلال روزی حاصل کرنے کے لیے زراعت کرتے تھے، جب ان کے کھیت میں غلہ تیار ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے درویشوں کو دیا کرتے تھے، بعدہ اپنی ضرورت بھر رکھ لیا کرتے تھے“ (۱۵)

شیخ عبدالقدوس کو چاروں سلاسل طریقت میں اجازت حاصل تھی، سلسلہ چشتیہ صابر یہ میں بظاہر انھیں شیخ محمد بن شیخ عارف سے اجازت حاصل تھی؛ لیکن فیض خاص کا تعلق شیخ احمد عبدالحق سے قائم رہا، جیسا کہ ایک مقام پر خود فرماتے ہیں: ”اگرچہ ارادت من بہ مخدوم شیخ محمد است؛ لیکن بیشتر اخذ فیوض مر از باطن جدّ او شیخ احمد است قدس سرہ ہما۔“ (۱۶)

(ترجمہ: اگرچہ میری ارادت میرے مخدوم شیخ محمد سے ہے؛ لیکن مجھے جو فیوض حاصل ہیں

وہ زیادہ تر ان کے دادا شیخ احمد قدس سرہما سے باطنی طور پر حاصل ہوئے ہیں۔)

سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں شیخ عبدالقدوس کوشخ درویش بن قاسم اودھی سے اجازت حاصل تھی، نیز اسی واسطے سے انھیں سلسلہ سہروردیہ، نقشبندیہ اور قادریہ میں بھی اجازت حاصل تھی۔ شاہ سید محمد حسین مراد آبادی نے شیخ عبدالقدوس کے روحانی سلاسل کی تفصیل میں ”سلاسل اربعین“ کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ حصولِ خلافت کے بعد شیخ عبدالقدوس نے ردولی ہی میں قیام کیا؛ مگر جب ردولی کے حالات زیادہ خراب ہو گئے تو عمر خاں شیرانی حاکم شاہ آباد کے اصرار اور خواہش پر ۸۹۶ھ مطابق ۱۴۹۱ء میں مع اہل و عیال ردولی سے شاہ آباد منتقل ہو گئے۔

صاحب شرف المناقب نے اس واقعے کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: ”در سن ستہ و سبعین و ثمانیہ ہجری از ابتدائے سلطنت سلطان سکندر بن سلطان بہلول لودھی بموجب درخواست عمر خاں کاشی کہ اعظم امراء سلطان سکندر بود و بخدمت شیخ عبدالقدوس حنفی اعتقاد تمام داشت مع فرزندان از ردولی انتقال نموده در قصبہ شاہ آباد کہ بہ نواح دہلی بود در آں جا سکونت نمود و شہرت بسیار یافت۔“ (۱۷)

(ترجمہ: ۸۹۶ء کے سال میں سلطان سکندر بن سلطان بہلول لودھی کی سلطنت کے ابتدائی زمانے میں عمر خاں کاشی کی درخواست کے مطابق جو کہ سلطان سکندر کے بڑے امراء میں سے تھا اور حضرت شیخ عبدالقدوس حنفی سے انتہائی عقیدت رکھتا تھا، اپنے بیٹوں کے ساتھ ردولی سے منتقل ہو کر شاہ آباد کے قصبے میں جو کہ دہلی کے اطراف میں تھا، چلے آئے اور وہاں سکونت اختیار کی اور بہت شہرت پائی۔ شاہ آباد میں تقریباً اڑتیس سال شیخ عبدالقدوس کا قیام رہا، شیخ حمید کے علاوہ باقی تمام صاحبزادگان کی ولادت شاہ آباد میں ہی ہوئی، ۹۳۴ھ مطابق ۱۵۲۶ء اپنے ایک مرید ملک عثمان کی درخواست پر مع اہل و عیال شاہ آباد سے گنگوہ منتقل ہو گئے، اور پھر یہیں اپنی عمر کے آخری ایام تک قیام فرمایا، شاہ آباد سے گنگوہ کی آمد پر صاحب ”بحرِ خاز“ تحریر فرماتے ہیں:

”سی و چند سال در اجرائے سلطنت سکندر بادشاہ آباد ماند و شہرت کمال یافت، در وقت بابر بادشاہ کہ شاہ آباد خراب شد بہ گنگوہ آمد و مسند فیض و ارشاد را بپاراست۔“ (۱۸)

(ترجمہ: تیس سال سے کچھ زیادہ سلطان سکندر کی سلطنت کے زمانے میں شاہ آباد میں رہے اور کمال کی شہرت پائی پھر بابر بادشاہ کے زمانے میں جب شاہ آباد تباہ ہو گیا تو گنگوہ آئے اور فیض و ارشاد کی مسند کو زینت بخشی۔)

قیام گنگوہ (۱۹) کے دوران مغلوں کے حملوں کی وجہ سے ایسے حالات خراب ہوئے کہ بستوں کی بستیاں اجڑ گئیں، خوف و ہراس کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنے گھروں سے بھاگ کر جائے پناہ تلاش کرتے تھے، انہی حالات میں شیخ عبدالقدوس بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ دریائے جمنا کے کنارے ”کمانہ“ نامی ایک گاؤں میں تشریف لے گئے، اسی زمانے میں دریائے جمنا کے مغربی کنارے پر ابراہیم لودھی کا لشکر بابر سے مقابلہ آرائی کے لیے خیمہ زن تھا، جس میں شیخ عبدالقدوس کے بہت سے معتقد و مرید بھی شامل تھے، ان لوگوں کو شیخ کے قیام کی اطلاع ہوئی تو معتقدین جوق در جوق ان سے ملاقات کے لیے آنے لگے، ابراہیم لودھی کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو وہ خود بھی شیخ عبدالقدوس کی خدمت میں پہنچا اور بہت اصرار و گزارش سے انھیں اپنے لشکر میں لے آیا، اس ملاقات میں شیخ عبدالقدوس نے ابراہیم لودھی سے فرمایا:

”مجھے اس مرتبہ خیریت معلوم نہیں ہوتی اور میں تمہیں پانی پت سے آگے بڑھتا ہوا نہیں دیکھتا۔“ (۲۰) ابراہیم لودھی کے ساتھ خود تو لشکر میں چلے آئے؛ مگر اپنے اہل و عیال کو شیخ رکن الدین کے ہمراہ گنگوہ روانہ کر دیا۔ بڑے صاحبزادے شیخ حمید اور سید راجہ مرید و خادم خاص شیخ عبدالقدوس کے ساتھ ہی رہے۔

ابراہیم لودھی اور باہر کی فوجوں کے درمیان آغازِ جنگ سے قبل ہی شیخ عبدالقدوس نے اس بات کا اشارہ فرما دیا تھا کہ مجھے اپنے گھوڑے کی رفتار سے یقین ہوتا ہے کہ ابراہیم کو یقیناً شکست ہوگی۔ (۲۱)

ملا عبدالقادر بدایونی، بابر اور ابراہیم لودھی کی اس جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”۸/ رجب ۹۳۲ھ مطابق ۱۵۲۵ء کو بابر اور ابراہیم لودھی کے درمیان جنگ شروع ہوئی ابراہیم لودھی کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔“ (۲۲)

بابر کی فوج نے حصولِ فتح کے بعد اور جنگی قیدیوں کے ہمراہ شیخ عبدالقدوس اور ان کے ساتھیوں کو بھی اپنی گرفت میں لے کر پانی پت سے دہلی تک پیدل چلنے کا حکم دیا، اگرچہ شیخ عبدالقدوس کی صحت اس قابل نہ تھی؛ لیکن پھر بھی وہ پانی پت سے باہر کی فوج کے ہمراہ پیدل چل کر دہلی پہنچے۔ شیخ رکن الدین اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”آپ پانی پت سے دہلی پیدل تشریف لائے؛ لیکن بعد میں آپ کو رہائی مل گئی اور گنگوہ تشریف لے آئے۔“ (۲۳)



لودھیوں میں خاص طور پر سکندر لودھی سے شیخ عبدالقدوسؒ کو خاص تعلق تھا، اس کی وجہ سکندر لودھی کے عہد حکومت میں شعائرِ اسلام کا رواج پذیر ہونا بڑا سبب تھا، عبدالحق محدث دہلویؒ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

’دورا سکندر یہ کہ زمانِ اصلاح و ورع و دیانت و صیانت بود، بسیار از اکابر علماء از اطراف و اکناف عالم از عرب و عجم در ایں زمان تشریف آورده دریں دیار توطن فرمودند۔‘ (۳۳)

(ترجمہ: سکندری سلطنت جو کہ اصلاح، پاکیزگی، دیانت اور پاک بازی کا زمانہ تھی، اس وقت بہت سارے بڑے بڑے علماء، عرب و عجم اور ہر گوشے و کنارے سے یہاں تشریف لائے اور اسے اپنا وطن بنایا)

شیخ عبدالقدوسؒ نے اپنے ابتدائی زمانے میں سلسلے کے اکابرین کے اصول کے مطابق سیاست اور حکمرانوں سے کسی طرح کا کوئی تعلق قائم نہیں رکھا تھا، یہی وجہ تھی کہ جب کبھی قاضی محمود داروغہؒ ردولی شیخ عبدالقدوس سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتا تو اس کی آمد کی خبر سن کر شیخ عبدالقدوس کسی ویرانے کی طرف نکل جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ ’ان دنیا داروں سے ناگوار ہو آتی ہے، اسی لیے میں ویرانوں میں چلا جاتا ہوں۔‘ (۳۵)

مگر بعد میں شیخ عبدالقدوس نے حالات کو دیکھتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ مخلوق خدا اور دین و شریعت کی حفاظت کی خاطر ان کا شاہانِ وقت سے تعلق قائم ہونا ضروری ہے، یہی وجہ تھی کہ جس نے انھیں باقاعدہ اپنے وقت کے سلاطین و امراء سے روابط قائم کرنے پر آمادہ کیا اور انھوں نے ان حکمرانوں کو تلقین و ہدایت کے خطوط لکھے، مخلوق کی خدمت ان کی غم خواری، ائمہ اور علماء کی تیمارداری اور ان کی تعظیم و توقیر کی طرف توجہ دلائی۔ اسلامی نقطہ نظر سے اسلامی حکومت کے سربراہوں، فرمانرواؤں اور امراء کو کن اوصاف سے متصف ہونا چاہیے، اس طرف بھی اشارے فرمائے۔ اور انھیں لکھا کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ کے اصول کے مطابق بادشاہوں اور ان کے عاملوں کو چاہیے کہ وہ احکامِ شرع کے ادا کرنے میں پوری پوری احتیاط سے کام لیں؛ تاکہ ان کو دیکھ کر عوام و خواص بھی شریعت کے پابند ہوں اور لوگ شریعت سے آراستہ و پیراستہ ہوں۔ اسلام کا بول بالا اور علماء و صلحاء کی عزت ہو۔

شیخ عبدالقدوسؒ نے لودھیوں سے لے کر مغلوں تک تقریباً پانچ فرمانرواؤں کا زمانہ دیکھا تھا، بہلول لودھی، سکندر لودھی، ابراہیم لودھی، باہر اور ہمایوں ان پانچوں حکمرانوں اور ان کے امراء

کو خطوط کے ذریعہ شیخ عبدالقدوس نے اعلیٰ کلمۃ الحق - اتباع شریعت، عدل و انصاف اور احترام علماء کی طرف توجہ دلانے کا اہم فریضہ انجام دیا، مکتوبات قدوسیہ میں شیخ عبدالقدوسؒ کے یہ خطوط محفوظ ہیں؛ مگر ہم یہاں ان کے تین خطوط بطور نمونہ پیش کر رہے ہیں، جن سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے زمانے میں نظام اسلام کے قیام کے لیے کتنی سعی و کوشش کی۔

### سکندر لودھی کے نام خط

”مطلق العنان فرماں روائی اور فرضِ منصبی کی عظیم الشان ادائیگی یہ ہے کہ اپنے اعمال اور مصروفیات میں بھی صلحاء، علماء، اقتیاء اور اولیاء کے تمام گروہوں اور دین کی راہ میں جنگ کرنے والوں اور مستحکم دربار کے مجاہدوں کے ساتھ عدل و انصاف برتنا؛ اس لیے کہ ایک لمحے کا انصاف اس کی ساٹھ سالہ عبادت سے افضل اور بہتر ہے۔

دنیا میں ائمہ اور مجبور علماء کا ایک گروہ ہے چاہیے کہ آپ کے جیسے مبارک فرماں روا اور دنیا پر حکومت کرنے والی سلطنت کے زمانے میں وہ لوگ ایسی رونق اور عزت حاصل کریں کہ ہر زمانے اور ہر مملکت کے مقابلے میں انھیں عزت و بڑائی حاصل ہو اور سارے فاجر لوگ آپ جیسے فرماں روا کی سلطنت کے جلال اور آبدار تلوار کے خوف سے عدم کی اندھیری رات کی سیاہی میں سما جائیں اور غائب ہو جائیں، پس اگر آپ جیسے حکمراں خدا نخواستہ کمزوروں، صلحاء اور مشائخ کی غم خواری اور تیمارداری، مہربانی اور کامیابی کے ساتھ نہ کریں اور ان لوگوں سے غفلت برتیں اور بے خبر ہو جائیں تو پھر ہر طرف فتنہ و فساد حکمرانی کرے گا، اسی بنا پر یہ بات یقینی ہوئی کہ انسان کی بزرگی کا درجہ دو کاموں پر منحصر ہے اور ہیبت کی سعادت اس دنیا اور اس دنیا کی دولت بھی اسی سے متعلق ہے، یعنی خداوند تعالیٰ کی فرما بزداری، صدق و اخلاص سے کرنا، دوسرے خلق اللہ کی خدمت اپنی سکت اور طاقت کے مطابق کرنا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

دو عادتیں ایسی ہیں کہ جن سے بہتر کوئی چیز نہیں، اللہ پر مکمل ایمان رکھنا اور اس کی مخلوق کو نفع

پہنچانا۔

ان دونوں نیکیوں کا اجتماع کا ملاً سلطان کی ذات میں ہے کہ اس کا فائدہ اور اس کی شفقت تمام دنیا والوں کے لیے ہے، کتنا اچھا ہے وہ دین اور دنیا کہ جب دونوں مل جائیں اس کی تفسیر اور یہ دولت بلند ہمت سے حاصل ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ تمام چیزوں سے بلند و برتر ہو جائے اور

اس چیز کو ”فتوت“ کہتے ہیں اس قول کے مطابق کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے، یعنی اس کا حال یہ ہوتا ہے، ہر وہ شخص جو صاحبِ ہمت ہو اور وہی مرد بہادر کہلایا، خورشید کی مانند وہ اپنی بلندی میں ممتاز و یکتا ہوا، بادشاہ کو بلند ہمت ہونا چاہیے۔ روپیہ، پیسہ، مرتبہ اور بزرگی فقرہ اور صلحاً پر نثار ہونا چاہیے، ان کی محبت کی خدمت میں اس سعادت کے لیے وہ کوشاں رہے، جس نے علم اور علماء کو عزیز رکھا، اس نے گویا پوری زندگی کامیابی کے ساتھ گزاری، ذیل کی عبارت میں یہ بات ظاہر اور روشن ہے: اے داؤد جب تم میرا کوئی طالب دیکھو تو پوری طرح سے اس کے خادم ہو جاؤ۔“ (۲۵)

بابر کے نام خط

مغل فرمانرواؤں میں بابر وہ پہلا حکمراں ہے کہ جسے شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے نظامِ اسلامی کے قیام، شریعتِ اسلامیہ کے فروغ، عدل و انصاف اور حکومت کے نظام کو خلافتِ راشدہ کے طرز پر ڈھالنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا تھا کہ شہروں کو شریعتِ محمدیہ کے جمال و عدل سے آراستہ کیا جائے، زکوٰۃ کے علاوہ جو بھی ٹیکس مقرر کیے جائیں وہ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہونے چاہئیں۔ ملک کے علماء، ائمہ اور ضعفاء کو اتنی عزت دینی چاہیے کہ وہ ہر زمانے اور ہر ملک میں عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھے جائیں۔ حکومت کے عہدوں پر امین اور متدین لوگوں کو متعین کیا جائے؛ تاکہ وہ خود بھی اسلام کے پابند ہوں۔ نماز باجماعت ادا کریں اور اس طرح دین کمال کو پہنچے۔

تیار داری، فقرہ، صغفار، صلحاً، مشائخین و مساکین کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بابر کو لکھتے ہیں: ”اگر خدا نخواستہ وہ (بادشاہ) فقرہ، صغفار، علماء، مشائخ، مساکین کی خبر گیری و غنچاری میں غفلت اور سستی برتنا ہے تو یہ اس کی تباہی کا باعث ہوگا۔ یہی کرنا چاہیے اور یہی اس کو زید دیتا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے انصاف و عدل کا اس طرح سایہ کرے کہ کوئی شخص کسی شخص پر ظلم نہ کرے اور تمام مخلوق و سپاہِ شرع کے مکمل پابند ہوں، اور وہ احکام جن کو کرنے کا حکم دیا گیا اور جن باتوں کے لیے منع کیا گیا اس کے لیے مستقل مزاج اور باعزم ہو جائیں۔ نماز باجماعت پڑھیں، علم اور علماء کو عزیز رکھیں۔ ہر شہر میں بازار کے پاسبان و محافظ مقرر کیے جائیں؛ تاکہ شہر اور بازار کو شرعِ محمدی کے انصاف کے حسن سے سنواریں اور روشن و منور کریں۔

جیسا کہ خلفائے راشدین و اسلاف کے عہد میں شرائط کا اجتماع بے خوف و خطر تھا، اسی طرح دنیا کو رونق بخشنے والے کے مبارک دور میں اس کی بے خوف ادائیگی ہو اور دین اپنے عروج پر پہنچے

اور اس دور کی وجہ سے قرونِ قرنی کے عہد کی برکتوں کا حسن ظاہر ہو۔ اس کی سلطنت میں دین دار پاک مسلمان، چالاک، مضبوط و مستحکم عقائد والے افراد عہدوں پر متعین و مقرر ہوں۔ مال کا محصول شروع کی رو سے وصول کریں۔ کتنا اچھا ہے وہ دین اور دنیا کہ جب دونوں ساتھ ہوں اور وہ شاہِ عالم پناہ اس کے سامنے خوش حال ہو۔

یہی چاہیے اور یہی زیب دیتا ہے کہ اسلام کے دیوان اور دارالاسلام میں کفار میں سے کوئی شخص دیوانی کا عہدہ کسی کسی طرح بھی حاصل نہ کر سکے، دفتروں میں قلم نہ چلا سکیں، امیر و عامل میں نہ ہوں، جیسا کہ شرع میں تذلیل ہے، ”اور وہ پست عاجز اور انکسار والے ہیں۔“ اس طرح وہ ذلیل و خوار ہوں، مال گذاری ادا کریں، جزیہ اور مال کی زکوٰۃ شرع کی رو سے ان سے حاصل کریں، ان کو مسلمانوں کی طرح کپڑے پہننے سے روکیں، اپنے کفر کو (کافر) چھپا کر رکھیں کفر کے مراسم غلبہ و اعلان کے طریقے سے نہ کریں (۲۶)؛ تاکہ اسلام کی رونق و عزت کمال تک پہنچے۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو نہایت بڑا اور شان والا ہے۔ حال اور مستقبل کی تمام مخلوق بے حساب احسان کرنے میں مصروف ہے، اسی میں دونوں جہاں کی سعادتوں اور دولتوں کی پیش گوئی اور وعدہ کیا گیا ہے؛ جب تک ہوا یا نہی اور اس سے بھی زیادہ ہو۔“ (۲۷)

مغل حکمرانوں میں ہمایوں دوسرا حکمران تھا، جسے شیخ عبدالقدوسؒ نے دو خطوط لکھے ہیں۔ پہلے مکتوب میں ہمایوں کو اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہونے پر مبارک باد دی۔ (۲۸)

اپنے ایک مکتوب میں ہمایوں کو خدمتِ خلق، علماء و صلحاء کی جز گیری و خدمت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”فقراء کی محبت و عروۃ و ثقی ہے اور علماء و صلحاء پر احسان تمسک بہ عروۃ الوثقی ہے، ہر مرض کے لیے دوا، اور ہر مشکل کے لیے باعثِ بخت ہے، خدا کا شکر ہے کہ تم خدمتِ خلق میں، خصوصاً علماء و فقراء کی خدمت میں مشغول ہو، مجھے یقین ہے کہ علماء تمہاری مملکت میں اس سے بھی زیادہ امن و امان سے رہیں گے اور وہ افتخار و اعزاز حاصل کریں گے جو پہلی حکومتوں اور بادشاہوں سے بڑھ جائے گا، ان پر جو بھی داد و بخش ہو وہ دفتری دارو گیر سے آزاد ہونی چاہیے؛ تاکہ اس کو بہانہ بنا کر، نا اہل شغل و عمل میں تفرقہ نہ ڈال سکیں۔“ (۲۹)

ہمایوں کے عہدِ حکومت میں شیخ عبدالقدوسؒ تقریباً سات سال حیات رہے اور بادشاہ کو خود بھی شیخ عبدالقدوس سے بڑا تعلق تھا اور عقیدت بھی؛ چنانچہ وہ ان کی خدمت میں حقائق و معارف

سمجھنے کے لیے آیا کرتا تھا۔ صاحبِ مرآۃ الاسرار لکھتے ہیں:

”نصیر الدین ہمایوں بادشاہ حقائق، و معارف سمجھنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا؛ کیوں کہ آپ اس فن میں ممتاز تھے۔“ (۳۰)

ہم نے یہاں شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے صرف چار خطوط بطور نمونہ پیش کیے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے تمام مکاتیب جو انھوں نے اپنے مریدوں، صاحبزادوں، عزیزوں اور اس دور کے علماء مشائخ وغیرہ کو لکھے ہیں، وہ ان کی اصلاحی کوششوں اور روحانی تربیت، جیسے بلند مقاصد کو سامنے لانے میں ہماری بہت مدد کرتے ہیں اور جن سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شیخ عبدالقدوسؒ نے ساری عمر اسی جدوجہد میں گزاری۔ ان کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ انسان اور انسانیت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کے ذریعے ترقی حاصل کریں اور معاشرے میں موجود ساری خرابیاں ختم ہو جائیں یا وہ ساری برائیاں جو معاشرے میں خرابی پیدا کرنے کا سبب ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے لکھے گئے خطوط رشد و ہدایت کے کارناموں کے آئینہ دار ہیں، حقیقت یہ ہے کہ شیخ عبدالقدوس کی ان تعلیمی، روحانی اور معاشرتی اصلاحی کوششوں نے انھیں سلسلہ چشتیہ صابریہ کا مجدد بنا دیا، اور ان کے ذریعے سلسلے کو حیات نو اور ایک نیا ہی رنگ حاصل ہوا؛ چنانچہ ایک مکتوب میں اپنے بارے میں خود تحریر فرماتے ہیں:

”من این سلسلہ را رنگ دیگر بخشیدہ ام۔“ (۳۱)

(ترجمہ: میں نے اس سلسلے (چشتیہ صابریہ) کو دوسرا ہی رنگ بخشا ہے)

### شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا مسلک

تصوف میں وحدت الوجود کے مسئلے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے علاوہ اس وقت برصغیر میں جو سلسلے رائج تھے، ان کے متقدمین صوفیاء پر وحدت الوجودی رنگ غالب تھا۔ سلسلہ چشتیہ کے دوسرے بزرگوں کی طرح شیخ عبدالقدوس بھی اس کے قائل تھے اور دسویں صدی ہجری میں نظریہ وحدت الوجود کی تبلیغ و اشاعت میں انھوں نے غیر معمولی حصہ لیا؛ لیکن وہ اس نظریہ کے اسی حد تک قائل تھے، جس حد تک کہ اسلام مانع نہیں ہے۔

شیخ رکن الدین ان کے مسلک کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”ایک دفعہ حضرت شیخ نے گنگوہ میں نماز فجر کے بعد وحدت الوجود پر گفتگو فرمائی میں اور میرے بھائی شیخ حمید اور شیخ احمد اس مجلس میں حاضر تھے، میں نے آپ سے گزارش کی کہ مسئلہ

وحدت الوجود، رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم سے کہیں بھی منقول نہیں ہے اور نہ شارح علیہم السلام نے دین کا مدار مسئلہ وحدت الوجود پر رکھا ہے اور نہ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہیں اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے دن اس مسئلہ پر اعتقاد ہمارے لیے نفرت کا باعث اور مواخذہ کا سبب بنے۔ آپ نے میرے جواب میں فرمایا کہ اگرچہ یہ مسئلہ صراحت سے شریعت میں بیان نہیں کیا گیا ہے؛ لیکن اشارۃً الیہ اور دلالتاً الیہ سے ہمیں اس کے متعلق بہت جگہ ملتا ہے؛ بلکہ بعض جگہ تو صراحت کے ساتھ بھی ملتا ہے؛ لیکن اس کو علمائے ظاہر متشابہ کہتے ہیں اور ظاہر کے مطابق تاویل کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ تبع تابعین کے عہد میں ظہور میں آیا اور وہ بھی زمانہ خیر تھا اور جنہوں نے اس مسئلے کو وجود بخشا، وہ مشائخ کبار مقتدایان دین اور مجتہدین وقت میں سے تھے، تمام علمائے ظاہر انہی کی طرف رجوع کرتے تھے، ہمیں ان کے قول و فعل پر اعتمادِ کلی رکھنا چاہیے، یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر یہ مسئلہ شریعت کے خلاف ہوتا تو حضرت امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف، امام محمد اور دوسرے مشائخ کبار رحمہم اللہ یقیناً صراحت سے اس کے بارے میں لکھتے کہ یہ مسئلہ شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے اور ویسے بھی اگر یہ مسئلہ دین کے خلاف اور باطل ہے تو علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کا فرض تھا کہ وہ اس پر سکوت اختیار نہ کرتے اور اس کی تردید میں مشغول ہو جاتے؛ کیونکہ حق کے متعلق سکوت کرنے والا گونگا شیطان ہے، جس طرح انہوں نے معتزلہ، فلاسفہ اور دوسرے گمراہوں کی تردید کی، اسی طرح اس نظریہ کی بھی تردید کرتے، پس جب ائمہ دین نے اس مسئلہ میں سکوت اختیار کیا ہے اور اس کا رد و انکار نہیں کیا تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ مسئلہ دین کے خلاف نہیں ہے؛ کیونکہ بیان کے محل میں خامشی خود بمنزلہ اقرار ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض کثرت وجود کے قائل ہیں، جو کثرت وجود کے قائل ہیں وہ علماء ظاہر ہیں، اکثر زہاد، عابدین اور مشائخ کبار اسی مسلک پر ہیں، بعض وحدت الوجود کے قائل ہیں، یہ بھی موحد اور عارفان حقیقت وجود ہیں، ان میں بھی جلیل القدر علماء اور مجتہدان وقت ہیں اور اہل حق کا کشف بھی اس کے حق ہونے پر شاہد ہے، یہ مسئلہ مختلف فیہ تو ہے؛ لیکن مخالف دین نہیں اور نہ بندے کے لیے آخرت میں مضر ہے، مسئلہ وحدت الوجود، اسرار الہی میں سے ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے، جس کا تعلق باطنی سر بلندیوں سے ہے، ہر آدمی ہر مرتبہ کے لائق و سزاوار نہیں، یہ مسئلہ اسرار الہی میں سے ہے؛ اس لیے اس کے اظہار کو بھی کفر کہا گیا ہے؛ اسی لیے جب کوئی منصور، حلّاج، اناحق کا

نعرہ لگائے گا، اسے دار پر جانا پڑے گا، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مسائل کی نوعیت مختلف ہے، مثلاً معذور کا مسئلہ علاحدہ ہے اور تندرست کا مسئلہ اس سے مختلف ہے، اسی طرح مسائل شریعت، طریقت اور حقیقت جدا جدا ہیں؛ اسی لیے کلمہ طیبہ کے مفہوم و مطالب میں لا یعوذُ الا اللہ مسئلہ شریعت، لا مقصودُ الا اللہ مسئلہ طریقت ہے اور لا موجودُ الا اللہ مسئلہ حقیقت ہے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مسئلہ وحدت الوجود میں محققین کے اختلاف کی بنیاد ایک دوسرے ہی اختلاف پر مبنی ہے، جو لوگ کثرت الوجود کے قائل ہیں، وہ ذات حق سبحانہ تعالیٰ کو کہ واجب الوجود ہے، ماوراء الوجود کہتے ہیں کہ جس کو ہماری عقل ادراک نہیں کر سکتی، وہ لوگ وجود کو صفت لازمی اس ذات کا قرار دیتے ہیں کہ وجود اس ذات سے ازلا وابداً جدا نہیں ہوتا اور جو لوگ وحدت الوجود کے قائل ہیں وہ حق سبحانہ تعالیٰ کو عین وجود مطلق قرار دیتے ہیں؛ اس لیے کہ موجودیت میں اعلیٰ مرتبہ وجود مطلق ہے اور وہی واجب الوجود ہے۔“ (۳۲)

شیخ رکن الدین مزید فرماتے ہیں:

”کہ جب یہ مجلس برخواست ہوئی تو حضرت شیخ کو یہ خیال ہوا کہ ابھی یہ لڑکے علم معرفت میں ناقص ہیں اور مسئلہ وحدت الوجود کے منکر ہیں؛ اس لیے آپ نے فرمایا کہ میں اب ان لڑکوں کے ساتھ نہیں رہوں گا کہ ان کا مسلک و مشرب اور میرا مسلک و مشرب جدا جدا ہیں، پھر میں اور یہ کیسے اکٹھے رہ سکتے ہیں، یہ کہہ کر عالم جذب و مستی میں حضرت شیخ وہاں سے روانہ ہو گئے، اس وقت جتنے لوگ بھی وہاں موجود تھے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ اسی حالت میں جمنہ کے کنارے تک پہنچ گئے اور ارادہ تھا کہ تھانیسیر جا کر شیخ جلال تھانیسیری سے بھی معلوم کریں کہ وہ اس مسئلے میں کیا مذہب و مشرب رکھتے ہیں، آخر کار امیر شاہ اسلام نے جو اس وقت ہمایوں کی جانب سے گنگوہ کا داروغہ مقرر تھا، آگے بڑھ کر شیخ سے عرض کیا کہ اگر بادشاہ کو اس کی خبر ہوگئی کہ آپ گنگوہ سے تشریف لے گئے ہیں تو اس کا عتاب مجھ پر نازل ہوگا۔“ (۳۳)

غرض داروغہ گنگوہ کی منت و سماجت کے بعد شیخ عبدالقدوس کا غصہ ختم ہوا اور وہ گنگوہ واپس تشریف لے آئے؛ مگر صاحبزادگان سے پھر بھی کافی دنوں تک ناراض رہے، بقول شیخ رکن الدین:

”آپ نے ہم کو چھوڑ دیا تھا، یہاں تک کہ ہمارے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لڑکے دوسرا ہی مشرب و مسلک رکھتے ہیں، ان کے پیچھے میری نماز نہیں ہوتی۔“ (۳۴) یہ کیفیت اس وقت تک باقی رہی؛ جب تک کہ شیخ جلال تھانیسیری کی گنگوہ آمد پر ان سے اس مسئلے کی

وضاحت نہ کر لی، یعنی کہ وہ مسئلہ وحدت الوجود میں کیا مسلک رکھتے ہیں۔ شیخ جلال نے پیرومرشد کے خیالات کے مطابق ہی بہت سے مشائخ کے اقوال کی مدد سے اس مسلک کو ثابت کیا تو شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے کرم و مہربانی کرتے ہوئے، انھیں اپنے گلے سے لگایا، اسی وقت صاحبزادگان میں سے کسی نے وحدت الوجود سے متعلق کچھ اشعار پڑھے جس سے ساری محفل پر عجیب و غریب کیفیت طاری ہوگئی۔ اس واقعے کے آخر میں شیخ رکن الدین لکھتے ہیں:

”مجھ پر اور شیخ حمید اور شیخ احمد پر اس واقعے کے دو تین دن بعد تک حضرت شیخ کی خفگی رہی، اس کے بعد آپ نہایت شفقت و محبت سے ہم سے بغلگیر ہوئے اور بے انتہا نوازش فرمائی، اس کے بعد میں نے اور میرے بھائی شیخ حمید اور شیخ احمد نے وحدت الوجود کی تائید میں رسالے لکھے۔“ (۳۵) شیخ عبدالقدوس، مسعود بک سے بہت زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ مسعود بک آٹھویں صدی ہجری مطابق چودھویں صدی عیسوی کے مشہور صاحب سکر بزرگ تھے، زیادہ تر جذب و مستی میں غرق رہا کرتے تھے، ان کے حالات میں صاحب الاخبار الاخیار تحریر فرماتے ہیں:

”حالت سکر داشت وے از مستان زیادہ وحدت و خم شکنہ خم خانہ حقیقت است، سخن مستانہ می گوید در سلسلہ چشتیہ ہیچ کسی این چنین اسرار حقیقت رافاش نہ گفته و مستی نہ کردہ کہ او کردہ گویند اشک او بہ حد گرم بود کہ اگر بردست یکے می افتادی سوخت۔“ (۳۶)

(ترجمہ: وہ حالت سکر میں رہا کرتے تھے وحدت کی شراب کے مستوں اور حقیقت کے شراب خانے کے خم شکنوں میں سے ہیں، وہ مستانہ باتیں کرتے ہیں، سلسلہ چشتیہ میں سے کسی شخص نے بھی اسرار حقیقت کو اس طرح فاش اور واضح نہیں کیا ہے اور ایسی سرشاری و مستی نہیں کی ہے جیسی کہ انھوں نے، کہتے ہیں کہ ان کے آنسو اس حد تک گرم ہوتے تھے کہ اگر کسی کے ہاتھ پر ٹپک جائیں تو وہ جل جاتا تھا۔)

شیخ عبدالقدوس ان کی سرمستی کے قائل تھے، رشد نامہ میں انھوں نے اپنے وحدت الوجودی خیالات کی تائید میں مسعود بک کے خیالات و اشعار سے مدد لی ہے۔ شیخ عبدالقدوس جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ مسعود بک کی سرمستی کے قائل تھے؛ مگر وہ خود صاحب صحو میں سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جذب و مستی میں رہنے کے باوجود بھی شرعی احکام پر عمل کرنے میں پوری احتیاط سے کام لیتے تھے۔

شیخ رکن الدین تحریر فرماتے ہیں:

”ابن فقیر صحبت و خدمت حضرت شیخ و والدی از چنگشگی تا پیری یافتہ بود۔ حضرت ایشان



چنان در شائع محمدی و در عقیدہ اہل سنت و الجماعت راسخ القدم بودند کہ ذرہ از شرع تجاوز نہ بود و صاحب حال و مقام بودند و در مشاہدہ نور پاک حضرت حق سبحانہ مستغرق بودند۔“ (۳۷)

(ترجمہ: اس فقیر نے جب والد حضرت شیخ کی صحبت و خدمت بچپن سے بڑھاپے تک پائی تھی۔ حضرت محترم شریعت محمدی اور اہل السنۃ و الجماعۃ کی عقیدت میں ایسے ثابت قدم تھے کہ ایک ذرہ برابر بھی شریعت سے تجاوز نہ فرماتے تھے۔ وہ صاحب حال اور صاحب مقام تھے اور ہمیشہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کے پاک نور کے مشاہدہ میں غرق رہا کرتے تھے)

شیخ عبدالقدوس کے یہاں تمام مسائل میں مسلک اہل السنۃ و الجماعۃ کی سختی سے پابندی اور فقہ حنفی کی پیروی واضح طور پر نظر آتی ہے۔ شرعی پابندی کا ان کے یہاں یہ عالم تھا کہ اگر کسی چیز میں ذرا بھی شبہ ہوتا، اس سے پرہیز کرتے تھے۔ ان کے تقویٰ اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ غیر نمازی قصاب کے ذبیحہ کو بھی کھانا پسند نہ فرماتے تھے۔ (۳۸)

شیخ عبدالقدوس کے یہاں اس غیر معمولی احتیاط اور شرعی احکامات پر عمل کے باوجود بھی سماع سے غیر معمولی رغبت پائی جاتی ہے۔ اپنی اس رغبت کے باوجود انھوں نے کبھی بھی سماع کے مسئلے کو شرعی نقطہ نظر سے جواز کا رنگ نہیں دیا؛ بلکہ جب کبھی یہ مسئلہ شرعی نقطہ نظر سے ان کے سامنے رکھا گیا ہمیشہ شریعت کے حکم کو اپنے پر ترجیح دی اور اپنے عمل سماع کو ایک مجبور و معذور کا عمل بتایا ہے۔

سلسلہ چشتیہ کے اکابرین سماع کو روحانی غذا قرار دیتے ہیں؛ لیکن اس کے لیے مقررہ آداب کی پابندی بھی لازمی قرار دیتے ہیں۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ رشد نامہ میں سماع کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

”آب چاہ بیرون نیاید تا آنکہ اور اکشنندہ بناشند ہم چنان اسرارِ الہی ست کہ در دل ست سماع پدید آرنده آل اسرار است، و در باب سماع فتویٰ شرع است جائز لاہلہ و حرام بغیر و اہل سماع کسے را گویند کہ ہیچ صوت جز پیام دوست نہ شنود و ہیچ جمال بغیر جمال دوست میند۔“ (۳۹)

(ترجمہ: کنویں سے اس وقت تک پانی باہر نہیں آتا جب تک اسے کوئی نکالنے والا نہ ہو، یہی حال اسرارِ الہی کا ہے کہ جو تیرے دل میں ہے، سماع ان اسرار کو نکال کر ظاہر کرنے والا ہے اور سماع کے باب میں شریعت کا فتویٰ ہے کہ وہ اہل کے لیے جائز اور نااہل کے لیے حرام ہے اور سماع کا اہل اس شخص کو کہتے ہیں کہ سوائے دوست کے پیغام کی آواز کے کوئی دوسری چیز نہ سنے اور کوئی جمال سوائے جمال دوست کے نہ دیکھے۔)

## شیخ عبدالقدوس کی فارسی اور ہندی شاعری

شیخ عبدالقدوسؒ فارسی اور ہندی میں شاعری کا ذوق و شوق رکھتے تھے۔ ان کی تصانیف اور مکاتیب میں ان کے اشعار کثرت سے ملتے ہیں۔ فارسی میں قدوسی اور احمدی تخلص فرماتے تھے، کلام میں بھرپور چاؤ، لذت، کیفیت، سادگی، دل نشینی، سوز و گداز نظر آتا ہے۔

نظر یہ وحدت الوجودان کی شاعری کا خاص موضوع ہے۔ درج ذیل غزل میں اسی نظریہ کو ایک نئے انداز میں پیش فرمایا ہے:

غزل

”من نمی گویم انا الحق یار می گوید بگو  
چوں نہ گویم، چوں مرا دلدار می گوید بگو  
آنچه نتوان گفت اندر صومعه با زاہداں  
بے تحاشہ بر سر بازار می گوید بگو  
بندہ قدوس گنگوہی خدا را خود شناس  
ایں ندا از غیب با اسرار می گوید بگو“

(ترجمہ: میں انا الحق نہیں کہتا ہوں یہ تو میرا یہ کہتا ہے کہ کہہ میں انا الحق کیوں نہ کہوں جب مراد دلدار کہتا ہے کہ کہہ۔ وہ جو کچھ خانقا ہوں میں زاہدوں سے نہیں کہا جاسکتا وہ سر بازار بے تکلف کہتا ہے کہ کہہ۔ قدوس گنگوہی کے کانوں میں یہ صدا غیب سے باسرار آتی ہے کہ خدا کو خود پہچان اور کہہ)

تصوف کے رنگ میں ڈوبے ہوئے شیخ عبدالقدوس کے کلام کے نمونے کے طور پر یہ شعر بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔

”احمدی درکار حق جاں رابپاز  
تاشود حق یار وہم محسن ترا“

ہندی شاعری: ان کی ہندی شاعری میں بھی فارسی شاعری کی طرح وحدت الوجودی یا صوفیانہ رنگ پوری طرح رچا بسا ہے، ہندی شاعری میں ایسا لگتا ہے کہ شیخ عبدالقدوس کسی سے اصلاح بھی لیا کرتے تھے۔ اپنے استاد کے نام کا ذکر تو براہ راست کہیں نہیں کہا ہے؛ لیکن شیخ جلال تھانیسریؒ کے نام ایک مکتوب میں اپنے استاد کا دوہا نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

استادیں فقیر گوید

یہ جگ وہ جگ دیوتن من ارتھ بھندار

سائیں کے رے سیس کا جو دکھرا دے بار۔“ (۴۰)

اسی دوہے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہندی شاعری میں کسی کو اپنا استاد سمجھتے تھے۔ اور خود ان کا اپنا ہندی کلام بھی ان کی تصنیف ”رشد نامہ“ میں ہمیں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ یہاں چند اشعار ان کے ہندی کلام سے بہ طور نمونہ پیش کیے جا رہے ہیں :

”دھن کارن پی آپ سنوارا

بن دھن کنت کنہارا

شہ کھیلے دھن بانہیں ایواں

باس پھول منہ اچھے جیسواں

کیوں نہ کھیلوں تچ سگ میتا

مچ کارن تیں اپنا کیتا

”الکھ داس“ آکھن ہودی

سوئی پاک ارتھ پھن ہوی۔“ (۴۱)

(ترجمہ: معشوق کے لیے یعنی خود اپنے آپ کو سنوارا ہے، یعنی ہر چیز میں اسی کا وجود ہے، معشوق نہ ہوتا تو پیا کہاں ہوتا، یعنی اس کی شناخت کون کر و اتا، معشوق کی بانہوں میں وہ ایسے موجود ہے جیسے پھول میں مہک موجود ہوتی ہے، اے دوست میں تیرے ساتھ کیوں نہ کھیلوں (محبت کروں) کیونکہ تو نے میرے لیے یہ سب کچھ (دنیا) سنوارا ہے، الکھ داس کہتا ہے کہ پھر یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا اور پھر وہی پاک لفظ اللہ باقی رہ جائے گا۔)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی، ہندی شاعری میں الکھ داس تخلص فرماتے تھے۔

شیخ عبدالقدوس کی تصانیف

ان کی عمر کا زیادہ تر حصہ ریاضتوں، مجاہدوں، عبادتِ الہی اور مریدوں کی اصلاح و تربیت میں گزرا؛ مگر ان تمام مشغولیات کے باوجود بھی انھیں نے اپنی غیر معمولی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ شیخ رکن الدین تحریر فرماتے ہیں :

”ابا بعلم لدنی و فیضِ الہی چنداں استعداد بود کہ در علمے بچھا غریب کردن و تصانیف بسیار

کردند۔“ (۴۲)

(ترجمہ: علم لدنی اور فیض الہی سے اس قدر با استعداد تھے کہ ہر علم میں عجیب و غریب بحیثیں کیس اور بہت ساری کتابیں تصنیف فرمائیں۔)

ان کی مشہور تصانیف میں درج ذیل کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔

- (۱) بحر الانشعاب علم صرف کی کتاب ہے جو زمانہ طالب علمی میں لکھی تھی۔ (۲) شرح مصباح (۳) حاشیہ شرح صحائف (۴) شرح عوارف (۵) فوائد القراءت (۶) رسالہ قدوسی (۷) رشد نامہ (۸) نور المعانی، شرح قصیدہ امانی (۹) انوار العیون (۱۰) مظهر العجائب (۱۱) مجموعہ کلام فارسی (۱۲) رسالہ نور الہدی (۱۳) رسالہ قرۃ العین (۱۴) مکتوبات قدوسیہ (۱۵) اسرار العجائب (۱۶) اوراد شیخ عبدالقدوس۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی نسبی اولادوں کے سلسلے میں مختلف تذکرہ نگاروں نے اپنے اپنے اندازوں کے مطابق صاحبزادگان کی تعداد لکھی ہے، مثلاً کسی نے سات لکھی ہے اور کسی نے دس لکھی ہے۔ ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں تعداد سات لکھی ہے:

”شیخ را ہفت پسر بودہ کہ ہر یک در حال و قال بے مثل بود۔“ (۴۳)

(ترجمہ: شیخ کے سات صاحبزادے تھے اور ہر ایک ان میں سے حال و قال میں بے مثل تھے)

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے حالات کے سلسلے میں سب سے زیادہ معتبر یا قابل اعتبار کتاب لطائف قدوسی کو سمجھا جاسکتا ہے؛ کیونکہ شیخ رکن الدین کی یہ مشہور و معروف تالیف ہے، جسے انھوں نے شیخ عبدالقدوس کی حیات میں ہی مکمل فرمایا تھا۔ اس کتاب میں شیخ رکن الدین نے جہاں اپنے بھائیوں کا تذکرہ کیا ہے، وہاں صرف درج ذیل چار ناموں کا ہی اظہار فرمایا ہے:

- (۱) شیخ حمید الدین (۲) شیخ احمد (۳) شیخ رکن الدین (۴) شیخ محمد علی۔

اصولی طور پر اس سلسلے میں صرف لطائف قدوسی پر ہی اعتبار کیا جانا چاہیے؛ چونکہ یہ کتاب شیخ رکن الدین نے شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی حیات میں ہی ان کی اجازت سے لکھنی شروع کر دی تھی اور اس کی تکمیل ان کے انتقال کے دو ماہ بعد ہو گئی تھی۔

شیخ رکن الدین لطائف قدوسی میں خود تحریر فرماتے ہیں:

”ایں فقیر بجهت جمع اوراق رخصت خواستہ و عرض کرد کہ بعضے حکایات ذات شریف کہ از زبانی مبارک شنیدہ ام و بعضے معاندہ و مشاہدہ کردہ ام یا دارم میخوانم کہ در تحریر آرم، فرمانی شد علم

ہمان است، بنا بر اں ہمت بر بستم و قلم تحریر راندم، بعضے حکایات در صد حیات حضرت قطبی و شیخی در ماہ جمادی الاولیٰ و جمادی الاخریٰ سنہ اربع واربعین و تسعمائے مرقوم کشتند و باقی دیگر بعد از وفات با تمام پیوستند، و چوں مضمون ایں اوراق از لطائف اخبار حضرت قدوسی بود نامش لطائف قدوسی نہادم۔“ (۴۴)

(ترجمہ: اس فقیر نے اوراق کو جمع کرنے کی اجازت چاہی اور عرض کیا کہ بعض حکایات جو آپ کی ذات شریف سے متعلق ہیں اور آپ ہی کی زبان مبارک سے سنی ہے اور بعض چیزوں کو میں نے خود دیکھا اور ان کا مشاہدہ کیا، وہ مجھے یاد ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ انہیں لکھ لوں، حکم ہوا علم یہی ہے؛ چنانچہ اس بنا پر میں نے ہمت کی اور تحریر کا قلم چلایا بعض حکایتیں حضرت قطبی و شیخی کی حیات کے زمانے میں ۹۴۴ھ جمادی الاول اور جمادی الآخر کے مہینوں میں ضبط تحریر میں آئیں اور باقی دوسری حکایتیں آپ کی وفات کے بعد اختتام پذیر ہوئیں؛ چونکہ ان اوراق کا مضمون جناب حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے عمدہ لطائف پر مشتمل تھا؛ اس لیے میں نے اس کا نام لطائف قدوسی رکھا)

### خلفاء

تذکرہ نگاروں نے شیخ عبدالقدوس کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ لکھی ہے، بعض نے یہ تعداد ایک ہزار بتائی ہے۔ صاحب اخبار الاخبار لکھتے ہیں:

”شیخ عبدالقدوس رامیدین و خلفاء بسیار اند۔“ (۴۵)

(ترجمہ: شیخ عبدالقدوس کے مرید اور خلفاء بہت ہیں)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلفاء میں صاحبزادگان کے علاوہ درج ذیل خلفاء کے نام خاص طور پر مشہور اور قابل ذکر ہیں۔

(۱) عبدالغفور اعظم پوری (۲) شیخ بھورا (۳) شیخ بدھن جون پوری (۴) شیخ عبدالرحمن شاہ آبادی (۵) شیخ عزیز اللہ دانشمند (۶) شیخ جلال تھانیسری۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ان مشہور و معروف خلفاء کے ذریعے سلسلہ چشتیہ صابریہ کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ شیخ جلال تھانیسری کو ان حضرات میں بھی ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے وصال کے بعد سلسلہ صابریہ کے فروغ اور ان کی جانشینی کی ذمہ داری شیخ جلال کے سپرد ہوئی، اس طرح سلسلہ صابریہ کا مرکز گنگوہ سے تھانیسری منتقل ہوا۔

## شیخ عبدالقدوسؒ کی وفات

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اپنی وفات سے تین سال قبل گوشہ نشینی اور تنہائی کی زندگی اختیار کر چکے تھے، زیادہ تر ان پر محویت اور بے خودی کا عالم طاری رہتا تھا۔ نماز کے اوقات میں خدام انہیں مطلع کرتے، ادائیگی نماز کے بعد پھر اسی عالم جذب و مستی میں غرق ہو جایا کرتے تھے، آخری ایام میں کئی روز تک بخار کے مرض میں مبتلا رہے، بالآخر کا ۹۴۴ھ مطابق ۱۵۳۰ء کو وفات پائی اور گنگوہی میں مدفون ہوئے۔



## حواشی

- (۱) مولانا عبدالحیٰ نذہت الخواطر دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۹۵۵ء، ج سوم، ص ۲۱۳
- (۲) محمد قاسم فرشتہ تاریخ فرشتہ ۱۸۷۴ء، ص ۵۵۸
- (۳) نزہۃ الخواطر، ج سوم، ص ۱۱۹
- (۴) لطائف اشرفی، بحوالہ نزہۃ الخواطر، ص ۱۱۹
- (۵) مرآة الاسرار قلمی
- (۶) بحوالہ شجرہ حسب و نسب شیخ عبدالقدوس گنگوہی (اہل خانہ سے حاصل ہوا)
- (۷) مفتاح التواریخ آگرہ ۱۸۳۹ء، ص ۲۲۲
- (۸) شیخ رکن الدین لطائف قدوسی مکتبہ مجتہائی دہلی ۱۸۹۳ء، ص ۹
- (۹) کافی عربی گرامر کی مشہور کتاب ہے۔
- (۱۰) اصول فقہ کی مشہور اور اہم کتابیں ہیں۔
- (۱۱) لطائف قدوسی لطیفہ، ص ۸۲
- (۱۲) شیخ عبدالقدوس انوار العیون قلمی، ص ۲۵
- (۱۳) لطائف قدوسی لطیفہ، ص ۲۵
- (۱۴) ایضاً
- (۱۵) خزینۃ الاصفیاء، ج اول، ص ۴۱۷
- (۱۶) انوار العیون، ص ۲۵
- (۱۷) محمد ابن احمد ابن عثمان شرف المناقب قلمی کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، ص ۵۵
- (۱۸) محمد بنین مؤلف بحر خارقلمی نیشنل میوزیم، نئی دہلی، ص ۲۲۵
- (۱۹) ضلع سہارنپور یو پی کے شمال میں ایک قدیم قصبہ ہے۔
- (۲۰) لطائف قدوسی لطیفہ، ص ۷۷
- (۲۱) ایضاً

- (۲۲) ملا عبد القادر بدایونی منتخب التواریخ (اردو) ۱۹۶۲ء، ص ۲۲۰
- (۲۳) لطائفِ قدوسی الطیفہ، ص ۷۷
- (۲۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخبار، ص ۸
- (۲۵) شیخ بدھن مرتب مکتوباتِ قدوسیہ مطبع احمدی، دہلی ۱۸۹۹ء، ص ۳۳ تا ۳۶
- (۲۶) ایضاً، مکتوب ص ۱۸۹ء، ص ۳۳۳ تا ۳۳۵
- (۲۷) ایضاً، مکتوب ص ۵، ۷ء، ص ۳۳۷ تا ۳۳۸
- (۲۸) ایضاً
- (۲۹) ایضاً، مکتوب ص ۱۷۱ء، ص ۳۳۸
- (۳۰) مرآة الاسرار قلمی
- (۳۱) مکتوباتِ قدوسیہ مطبع مجتہائی دہلی ۱۸۹۶ء، ص ۵
- (۳۲) لطائفِ قدوسی الطیفہ ص ۱۷
- (۳۳) ایضاً
- (۳۴) ایضاً
- (۳۵) ایضاً
- (۳۶) اخبار الاخبار، ص ۱۶۴
- (۳۷) شیخ عبدالقدوس رشدنامہ مطبع مسلم پریس پبلیشرز، دہلی ۱۸۹۶ء، ص ۳۵ تا ۳۶
- (۳۸) لطائفِ قدوسی الطیفہ، ص ۲۰
- (۳۹) رشدنامہ، ص ۲۵
- (۴۰) منتخب مکتوباتِ قدوسیہ
- (۴۱) ایضاً
- (۴۲) لطائفِ قدوسی الطیفہ، ص ۸
- (۴۳) ہاشم کئی زبدۃ المقامات، ص ۹۹
- (۴۴) لطائفِ قدوسی، ص ۳
- (۴۵) اخبار الاخبار، ص ۲۱۵

